بیت اللہ

بیت اللہ: مرکزِ ارضی، تجلّی گاہِ ربّانی

سیّد مناظر احسن گیلانیؒ

مرکزِ ارضی

کثرتوں کا ارتکازی مجموعہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، ہاتھی کا کوہ پیکر جثہ ہو یا برگد کے پھلوں کا خشخاشی تخم، ہر ایک میں ان کے بکھرے ہوئے اجزا کی یوستگی اور باہمی ارتباط کو قائم رکھنے کے لیے بھی، اور اپنے اپنے نوعی کمالات کو نشوونما اور ارتقا کے آخری مقام تک پہنچانے کے لیے بھی، ایک مرکزی نقطہ پایا جاتا ہے۔ اس مرکزی نقطہ کے وجود کو اگر اس سے نکال لیا جائے تو ایک طرف سارے سمٹے ہوئے اجزا بکھر جائیں گے، اور دوسری طرف بیرونی فیوض کو جذب کرکے ارتقا و نشوونما کے جس عمل کو یہ مرکزی نقطہ جاری رکھے ہوئے تھا وہ عمل بھی رک جائے گا۔

میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کو مثال سے سمجھیے۔ آم کی گٹھلی یا اسی قسم کے پھلوں کے تخم کو آپ نے دیکھا ہوگا۔ آم کا درخت اسی گٹھلی سے برآمد ہوتا ہے۔ پتّے، شاخیں، پھُول، پھَل کا ایک طوفان ہوتا ہے، جو اسی گٹھلی کی راہ سے اپنی اپنی شکلوں کے ساتھ، باہر نکل نکل کر آم کے درخت کا جز بنتا رہتا ہے۔ لیکن آم کی اسی گٹھلی کو چیریئے، اس میں ایک چیز آپ کو نظر آئے گی جسے انکھوا کہتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ گٹھلی سے اس انکھوے کو نکال لینے کے بعد، خواہ کتنی ہی اچھی، نرم اور پاکیزہ زمین میں اس کو بویا جائے، اور چشموں کے کیسے ہی صاف و شفاف پانی سے اس کی آبیاری کی جائے، بجائے اس کے کہ اس گٹھلی سے پودا نکلے، گٹھلی سڑتی چلی جائے گی، تاآنکہ بالآخر سڑ سڑ کر اس کے اجزا مٹی میں مل کر اِدھر اُدھر غائب ہو جائیں گے۔

حاصل یہی ہے کہ گٹھلیوں کا یہی مرکزی نقطہ، وہ نقطہ ہے کہ دیکھنے میں خواہ کتنا بھی بے حیثیت اور معمولی چیز نظر آتا ہو، لیکن کسی درخت کے شجری نظام اور اس کے سارے آثار و نتائج کا حصول یقیناً اسی مرکزی نقطہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس کو نوچ کر گٹھلی سے اگر الگ کرلیا جائے تو سارے فیوض جن سے درخت کا تنا، اس کی ڈالیاں، شاخیں، پتّے، پھُول، پھَل مستفید

ہوتے رہتے ہیں، ان کا قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔

الغرض حیوانی و انسانی اجسام میں جو حیثیت قلب کی ہے' اور نباتی حقائق کے لحاظ سے جو اہمیت گٹھلیوں کے اس مرکزی نقطہ کی ہے' دل یہ پوچھتا ہے کہ مٹی کا یہ تودہ' جس کا نام زمین اور دھرتی ہے' جس سے علاوہ عناصر اور معدنی مرکبات کے نباتی' حیوانی' انسانی ہستیوں کی بے پناہ موجیں ابل رہی ہیں' ان ساری پیداواروں کے لیے زمین بھی اپنے اندر کیا کوئی ایسی چیز رکھتی ہے جسے ارضی فیوض و برکات کا مرکزی نقطہ ٹھہرایا جائے؟ کیا اس کا بھی کوئی دل ہے' جس سے مختلف ارضی پیداواروں کی رگوں میں نشوونما اور ارتقا و بقا کا خون دوڑ رہا ہے؟ یا یوں پوچھیے کہ یہ خاکی گٹھلی بھی اپنے اندر کیا کوئی ایسا انکھوا رکھتی ہے کہ اسی کے ساتھ ان ساری چیزوں کا قیام وابستہ ہو جو زمین سے پیدا ہو رہی ہیں' اور تمام خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے اس خاکی کرّے کی پشت پر نمایاں ہو ہو کر جسدِ ارضی پر اپنے اقتضائی کمالات کو حاصل کرتی چلی جارہی ہیں؟

نہ ماننے والوں سے ابھی بحث نہیں' لیکن جنھوں نے مانا ہے کہ

جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ (المائدہ ۵ : ۹۷)

بنایا اللہ نے اَلْکَعْبَہ کو' جو بیت الحرام ہے' سارے انسانوں کے قیام کا ذریعہ۔

اسی کی خبر ہے جو زمین کا' اور زمین میں جو کچھ ہے سب کا' پیدا کرنے والا ہے' بتایئے ان سوالوں کے جواب میں ایک مومن بالقرآن کی نظر "کعبہ" کے سوا کیا کسی دوسری چیز پر پڑ سکتی ہے۔

سرچشمۂ فیوض و امن

وہی اَلْکَعْبَہ' اَلْبَیْتَ الْحَرَام' جس کا تذکرہ کرتے ہوئے جب اسی قرآن میں' قیام و بقا سے بھی آگے بڑھ کر'

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا (البقرہ ۲ : ۱۲۵)

اور جب بنایا ہم نے اسی اَلْبَیْت (گھر) کو انسانوں کے لیے مَثَابَہ اور اَمْن (کا ذریعہ)

کی بھی تصریح کردی گئی ہے۔ مَثَابَہ کی لغوی و اصطلاحی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانیؒ اپنے مفردات میں لکھتے ہیں "پینے والوں کے لیے کنویں کے منھ پر جو جگہ ہوتی ہے اسی کو مَثَابَہ کہتے ہیں۔" اب سوچیے کہ مَثَابَہ ہونے کی یہی حیثیت جب اَلْکَعْبَہ کو حاصل ہے' تو اس کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہوا کہ سارے فیوض و برکات جو زمین کے اس کُرّے پر تقسیم ہو رہے ہیں' ان کے گزرنے کا مرکزی نقطہ یہی اَلْکَعْبَہ ہے۔

اور صرف مَثَابَۃً ہی نہیں' بلکہ اسی آیت کے لفظ امنا سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ امن و

امان سارا قدرت نے اسی "اَلْبَیْتُ الْحَرَام" کے ساتھ وابستہ فرما دیا ہے۔

الغرض یہاں جس کسی کو جہاں کہیں جو کچھ بھی مل رہا ہے اسی اَلْکَعْبَہ کی راہ سے مل رہا ہے۔ یہ قرآن کے نصوصِ صریحہ کا اقتضا ہے۔ گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ ساری کائنات کے ساتھ العرش کی جو نسبت قرآن نے بیان کی ہے' کہ اَلرَّحْمٰن اسی اَلْعَرْش کو مرکز بنا کر اپنی رحمتیں دنیا میں تقسیم فرما رہا ہے' یہی نسبت زمین کے خاص کرّے کے ساتھ اَلْکَعْبَہ بھی رکھتا ہے۔ حضرت آدمؑ کو خطاب کرکے رَبُّ العزت نے جو فرمایا اس سے --- کہ "اے آدم' اتارا ہے میں نے تیرے لیے ایک گھر' تو اس گھر کا اسی طرح طواف کرے گا جیسے "اَلْعَرْش" کے گرد طواف کیا جاتا ہے' اور تو اس گھر کے آگے اسی طرح نماز پڑھے گا جیسے میرے عرش کے سامنے نماز پڑھی جاتی ہے۔" (تاریخ الخمیس ج ۱' ص ۸۹) --- اور دوسری روایتوں سے بھی' اسی کی تصدیق ہوتی ہے کہ کرۂ ارض کا "قلب" اور وہ مرکزی نقطہ جس سے سارے برکات و فیوض اس زمین پر بنٹ رہے ہیں' یہی اَلْکَعْبَہ ہے۔

مشہور قرآنی آیت --- اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ (آل عمران) سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ قطعاً" وہی ہے جو "مکہ" میں ہے' جو سارے جہانوں کے لیے مبارک بھی ہے اور ان کی ہدایت کا سرچشمہ بھی --- کے بعد تو اس قسم کی روایتوں سے تائید حاصل کرنے کی بھی قطعاً ضرورت باقی نہیں رہتی۔ آخر روایتوں سے یہی تو معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے کرّے پر جو سب سے پہلا نقطہ متعین کیا گیا' یہ وہی حصہ ہے جسے اَلْکَعْبَہ کی دیواریں اس وقت تک گھیرے ہوئے ہیں۔ روایتوں پر تو یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ کا مشاہدہ کرنے والا اس وقت کون موجود تھا؟ لیکن جو قرآن کی خبروں پر یقین کرتے ہیں کہ خالق کائنات کی دی ہوئی خبریں ہیں' ان کے لیے تو اس شبہ کی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ تاریخی شہادت تو اسی کی ہے جو اس وقت بھی موجود تھا جب نہ زمین پھیلائی گئی تھی اور نہ آسمانوں کے خیمے تانے گئے تھے' اور اس وقت بھی وہ غائب نہ تھا جب اَلنَّاس یعنی نسل انسانی کے لیے یہ سب سے پہلا گھر بنایا جا رہا تھا۔ بلکہ اس واقعہ کی خبر دینے والا ہی وہ ہے جس نے حد بندی کے اس عمل سے زمین کے اس خاص حِصّہ کو امتیاز بخشا ہے۔ اس سے بڑھ کر یقینی خبر اور کس کی ہو سکتی ہے۔

یہی نہیں' بلکہ آگے مُبٰرَکًا" کے لفظ کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ برکتوں کا خزینہ اور فیوض کا حقیقی دفینہ بھی زمین کے اسی حصّہ کو بنایا گیا۔ یہی وہ قدرتی سرچشمہ ہے جس

سے برکتیں اُبل رہی ہیں' اور وہیں سے چھلک کر ساری دنیا میں تقسیم ہو رہی ہیں۔

یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ العالمین' یعنی سارے جہانوں کے لیے رہنمائی اور ہدایت کا توحیدی نظام جب قائم کیا گیا' اور نبوّت کو ختم کرکے العالمین کی ہدایت کا مرکزی مقام مکّہ منتخب ہوا' جیسا کہ **هُدًى لِّلْعَالَمِينَ** کے الفاظ کا اقتضا ہے تو یہ اتفاقی واقعہ نہ تھا' بلکہ جو مقام مادی برکتوں کا سرچشمہ تھا' اسی کو دینی و اخلاقی تعلیمات کی اشاعت کا مرکز بھی مقرر کیا گیا۔ آخر **لِلْعَالَمِينَ** کے لفظ کا تعلق صرف **هُدًى** ہی کے لفظ سے کیوں سمجھا جائے' میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ **مُبَارَکًا**" کے لفظ کو بھی **لِلْعَالَمِينَ** سے مربوط سمجھنا چاہیے۔

مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ ان صریح نصوص اور واضح بیّنات کی روشنی میں بھی **اُمّ الْقُرٰى**' جو مکّہ کا قرآنی نام ہے' اس کے سمجھنے یا سمجھانے سے لوگ کیوں گریز کرتے ہیں۔ **اَلْقُرٰى** کا لفظ یقیناً ایک عام اور مطلق لفظ ہے' ان ساری آبادیوں کو حاوی ہے جو زمین کے کسی گوشہ میں شرقاً" و غرباً" شمالاً و جنوباً" پہلے پائی گئی ہوں' یا اب پائی جاتی ہوں' یا آئندہ پائی جانے والی ہوں' وہ ایشیا میں ہوں یا افریقہ میں' امریکہ میں ہوں' یا یورپ میں۔ قرآنی الفاظ کے مُستند شارح علاّمہ راغبؒ نے بھی **اُمّ الْقُرٰى** کی یہی تشریح کرتے ہوئے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ "ساری دنیا اسی کے نیچے سے پھیلائی گئی۔" اشارہ اسی برکاتی مرکزیت کی طرف ہے جسے قرآن میں **مُبَارَکًا**" کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے۔

سب سے پہلا گھر

بجائے مَکّہ کے' اسی آبادی کے دوسرے نام یا تلفظ یعنی بَکّہ کے لفظ کو قرآن نے یہاں جو اختیار کیا ہے' یہ بھی میرے خیال میں کوئی اتفاقی بات نہیں ہے۔ نزولِ قرآن سے صدیوں پہلے **اَلْکَعْبَۃ** کی اسی عالمگیر اہمیت کا انکشاف کرتے ہوئے' پیغمبر داوٗدؑ کتاب زبور میں یہ والہانہ تمہیدی فقرات ارشاد فرماتے ہیں :

> اے لشکروں کے خداوند' تیرے مسکن کیا ہی دلکش ہیں ! میری رُوح خداوند کی بارگاہ کے لیے آرزو مند بلکہ گداز ہوتی ہے۔ میرا مَن' میرا تَن' زندہ خدا کے لیے للکارتا ہے۔

پھر اس کی مثال دیتے ہوئے کہ ہر چیز ایک مرکز رکھتی ہے' فرماتے ہیں :

> گوریے نے بھی اپنا گھونسلا' اور ابابیل نے بھی اپنا آشیانہ پایا ہے' جہاں وہ اپنے بچے رکھیں۔

آخر میں زبور کا یہ مشہور فقرہ ہے' کہ :

مبارک وہ انسان ہیں' جن میں قوت تجھ سے ہے' اور ان کے دل میں تیری راہیں ہیں۔ وہ بکہ کی وادی میں گزر کرتے ہیں' اور اسے ایک کنواں بناتے ہیں' پہلی برسات اسے برکتوں سے ڈھانپ لیتی ہے۔

یہ داؤدؑ کی کتاب "زبور" کے مزبور ۸۱ کے فقرے ہیں۔ اس میں چاہِ زمزم ہی کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا ہے' بلکہ قرآنی لفظ "مبارک" کے مفہوم کو بھی خاص پیرایہ میں ادا کردیا گیا ہے۔ پہلی برسات' الرحمٰن کی پہلی توجہ ہے جو کرۂ زمین کی آبادی کے لیے کی گئی۔

آج کل زبور کے جو تراجم شائع ہو رہے ہیں ان میں بکہ کے لفظ کو اپنی اصلی صورت پر باقی نہیں رکھا گیا ہے۔ . . . لیکن آپ مشہور عیسائی عالم پروفیسر مارگولیوتھ' کی جو نسلاً" یہودی تھا' یہ شہادت پڑھ سکتے ہیں کہ بجز مکہ معظمہ کے زبور کا یہ بکہ اور کوئی دوسرا مقام نہیں ہوسکتا۔ میرا خیال ہے کہ بجائے عام اور مشہور نام "مکہ" کے' یہ بتاتے ہوئے کہ یہی سب سے پہلا گھر ہے' بکہ کے نام اور تلفظ کو جو اختیار کیا گیا ہے تو یہ اشارہ غالباً اسی مزبور (۸۱) کی طرف ہے جس میں داؤدؑ نے بکہ ہی کے لفظ سے اس کو یاد کیا ہے۔ یہ اَلْکَعْبَۃ کی قدامت کے لیے یقیناً ایک اہم تاریخی وثیقہ ہے' موجودہ زمانہ کے حساب سے تین ہزار سال سے کم پرانی شہادت یہ نہیں ہے۔

لیکن داؤدؑ کا زمانہ تو نسبتاً" بعد کا زمانہ ہے' ان سے پہلے انبیا علیہم السلام کی طرف منسوب نوشتے جو بائبل کے موجودہ مجموعہ میں پائے جاتے ہیں' ان میں اَلْکَعْبَۃ کے متعلق آپ کو مسلسل تاریخی شہادتیں ملتی چلی جائیں گی۔ تورات کا فقرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے : "اس نے بیت ایل کے جنوب کے ایک پہاڑ کے پاس اپنا ڈیرہ قائم کیا۔ یم (یعنی سمندر) اس کے مغرب میں' اور عی اس کے جنوب میں تھا" (تکوین باب ۱۲)۔ تورات کے عالم جانتے ہیں کہ یہ بیت ایل' یعنی بَیْتُ اللّٰہ جس کے جنوب میں ابراہیمؑ نے اپنا ڈیرا گاڑا تھا' یہ وہی اَلْکَعْبَۃ (بیت اللہ الحرام) کا مرکزی نقطہ تھا جہاں بعد کو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ گھر اٹھایا تھا۔ یم یعنی سمندر کا اَلْکَعْبَۃ کے مغربی سمت میں ہونا تو ایک عام کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ رہا "عی" ' قدیم جغرافیہ عرب کا مطالعہ اس کے لیے کرنا چاہیے۔ . . .

بہرحال اگرچہ بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے یہ نوشتے صدیوں سے بگاڑنے اور چھیلنے' مشتبہ کرنے کی مسلسل کوششوں کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں' لیکن بچی کھچی جو چیزیں اس وقت تک ان کتابوں میں پائی جاتی ہیں' جن میں کرۂ زمین کے اس مرکزی "مقام مبارک" کا تذکرہ کیا گیا ہے'

اگر سب کو جمع کیا جائے تو وہ کافی ضخیم رسالہ بن سکتا ہے۔ ایسا رسالہ جسے دیکھ کر اضطراراً آدمی اس قرآنی دعویٰ کی یعنی --- (اہلِ کتاب) جانتے ہیں اس اَلْکَعْبَہ کو اسی طرح جیسے پہچانتے ہیں وہ اپنے بچوں کو --- تصدیق و اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کاش کسی کو توفیق ہوتی کہ اس قرآنی اشارے کی توضیح کے لیے بائبل کی ان گواہیوں کو جمع کردیتا۔ کیا عہدِ اسلامی سے پہلے بنی اسرائیل کے ان نوشتوں کے متعلق بھی اس شبہ کی گنجائش ہے کہ مسلمانوں نے اپنی طرف سے ان الفاظ کا اسرائیلی کتابوں میں اضافہ کردیا ہے۔

اور یہ کتابیں تو خیر مذہب و دین سے تعلق رکھتی ہیں، مگر مسلمانوں سے پہلے بہت پہلے یونان و روم کے مورّخوں کی کتابوں میں سرزمینِ عرب کے اس پرانے مَعْبَد اَلْکَعْبَہ کا ذکر جن الفاظ میں پایا جاتا ہے، ان کو دیکھنے کے بعد یہ دعویٰ کیا غیر تاریخی یا بے بنیاد ٹھہرایا جاسکتا ہے کہ پشتِ زمین پر آج جتنے مکانات پائے جاتے ہیں ان میں کوئی مکان یا گھر قرآن کے اس "اَوّل الْبَیْت" کے مقابلہ میں اس حیثیت سے اپنے آپ کو نہیں پیش کرسکتا کہ مسلسل نہ صرف اپنے وجود کو بلکہ، احترام و عزت کی مرکزیت کو، باقی رکھتے ہوئے موجودہ عہد تک چلا آیا ہو۔

ہیروڈوٹس جو حضرت مسیحؑ سے چھ سو سال پہلے گزرا ہے، اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ عرب کے اس مَعبَد کا بہت قدیم زمانے سے لوگ احترام کرتے چلے آئے ہیں۔ ہیروڈوٹس کی شہادت ہی تقریباً اڑھائی ہزار سال کی ہے۔ خیال کرنا چاہیے کہ اڑھائی ہزار سال پہلے بھی جس گھر اور مکان کے متعلق یہ خبر دی جاتی ہو کہ بہت قدیم زمانے سے لوگ اس کا احترام کرتے چلے آئے ہیں تو اس کی قدامت کی تاریخ کتنی طویل ہو جاتی ہے۔ خصوصاً جب اس کو بھی پیشِ نظر رکھ لیا جائے کہ دنیا کے عام شہروں اور آبادیوں کے متعلق جن معلومات کو صحیح تاریخی معلومات قرار دیا جاسکتا ہے، ان کی مدّت اڑھائی تین ہزار سال سے آگے نہیں بڑھتی، کار تھیج ہو یا ایتھنز، ہامپہانی ہو یا روم، سب ہی کا حال یہی ہے۔

اب سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن نے اسی اَلْکَعْبَہ کا ذکر کرتے ہوئے، منجملہ دوسرے صفات کے، بعض مقامات میں اس کو "اَلْبَیْت اَلْعَتِیْق" کے نام سے جو موسوم کیا ہے، یہ صفت صرف اضافی ہی نہیں ہے۔ تاریخی تحقیقات کے سلسلے کو لوگ اگر جاری رکھیں تو ان پر واضح ہوتا چلا جائے گا کہ اس مکان کی "حقیقی صفت" یہی ہے۔ یعنی ثابت ہوگا کہ دنیا کے تمام پرانے گھروں میں جو کبھی پائے گئے یا اب بھی کہیں پائے جاتے ہیں، سب کے مقابلے میں یہی مکان کرّۂ زمین کا قدیم ترین گھر ہے۔

وسطِ زمین

اور سچ تو یہ ہے کہ بائبل کا بیت ایل، اور قرآن کا بیت اللہ، جس آبادی میں پایا جاتا ہے اس کے، اور جس ملک سے اس آبادی کا تعلق ہے اس کے، متعلق تاریخی شہادتوں کے علاوہ ان کے جغرافیائی پوزیشن پر بھی اگر توجہ کی جائے، تو اس قرآنی اشارے کا مطلب سمجھ میں آ سکتا ہے جسے سورۃ البقرہ میں ہم پاتے ہیں۔ امّتِ اسلامیہ محمدیہؐ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے، کہ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا، اور اسی طرح بنایا ہم نے تم لوگوں کو وسط اور بیچ والی امت۔ اس سے پیشتر جیسا کہ ہر قرآن پڑھنے والا جانتا ہے اَلْكَعْبَة ہی کا ذکر ہے اور فرمایا گیا ہے کہ... بجائے مشرقی خطوں اور مغربی اقلیموں کے، مسلمانوں کو زمین کے اس حصہ میں قبلہ عطا کیا گیا ہے جو نہ مشرق سے زیادہ دُور ہے اور نہ مغرب سے، اور یہ خدا کا فضل اور اس کی حکمت کا اقتضا ہے۔

بہرحال اس آیت کی صحیح تفسیر کا یہاں موقع نہیں ہے۔ جب مسلمانوں کو وسط اور بیچ میں واقع ہونے والی درمیانی اُمّت قرار دیتے ہوئے ان کے اس حال کو قبلہ سے تشبیہ دی گئی ہے، تو صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ قرآن مطلع کرتا ہے کہ جغرافیائی حیثیت سے ان کا قبلہ بھی وسط اور ایسے علاقہ میں واقع ہے جو دنیا کے معمور اور آباد علاقوں کے درمیانی حصہ ہونے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے معنی یہی ہوئے کہ روایتوں میں اَلْكَعْبَة یا مَكَّة کو جو سرۃ الارض (نافِ زمین) کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے، یہ دراصل اسی قرآنی خبر کی تعبیر اور توضیح ہے۔

آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ مشرق و مغرب کے سارے مواصلاتی ذرائع، خواہ ان کا تعلق خشکی سے ہو یا تَرّی سے یا فضا اور ہَوا سے، تقریباً عام حالات میں ہر ایک کو اسی علاقے سے گزرنا پڑتا ہے جس میں اَلْكَعْبَة واقع ہے۔ اسی طرح شمال میں ۸۰ درجہ تک، اسی طرح اس کے بالمقابل جنوب میں ۴۰ درجے تک، عموماً انسانی آبادیاں پائی جاتی ہیں۔ مجموعی طور پر ۱۲۰ درجے تک دنیا کی آبادی شمالاً و جنوباً پھیلی ہوئی ہے، اس لیے دنیا کے درمیانی علاقے وہی ہو سکتے ہیں جو ۲۰ اور ۲۱ درجے پر واقع ہیں، اب اطلس اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ وہی آپ کو جواب دے گا کہ عرب کا ملک جس میں اَلْكَعْبَة واقع ہے اس کا محلِ وقوع اس سلسلے میں کہاں ہے...۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن نے، یہ بتایا ہے کہ ''العالمین'' کی ہدایت و ارشاد کا نظام اسی مقام میں قائم ہوگا، جو اس سے پہلے، اسی عالمگیر تبلیغی نظام کی تمہید میں، ابراہیمؑ کا مقام بنا۔ اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی بتایا کہ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ، یعنی اس گھر میں اور بھی کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔ ان آیات بیّنات اور کھُلی کھلی نشانیوں کو آپ تلاش کرتے چلے جائیے۔ راز کے بعد راز کا مسلسل انکشاف

آپ پر ہوتا چلا جائے گا۔ تاریخ کے اوراق بھی اس باب میں آپ کی مدد کریں گے' جغرافیہ کے اطلسوں سے بھی آپ اس سلسلے میں اعانت حاصل کرسکتے ہیں' اقوام و اُمَم کے آسمانی رہنماؤں کے کلام میں بھی اس اَلْبَیْتُ الْعَتِیْق کے متعلق اَتے پَتے ملتے چلے جائیں گے۔

یہ ساری نشانیاں آپ پر واضح کریں گی کہ اس گھر کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق نِری خوش اعتقادی پر مبنی نہیں ہے' بلکہ قدرت کے مقررہ طبعی قوانین کا یہ منطقی نتیجہ ہے۔ مسلمان اگر سمجھتے ہیں کہ نسلِ انسانی کا پہلا ابتدائی قبلہ بھی اَلْکَعْبَہ ہی تھا' پھر جب مختلف علاقوں کے بکھرے ہوئے انسانوں کو باہم ایک دوسرے سے قریب تر ہو جانے کی صورت نکل آئی تو مختلف مقامی قبلوں سے ہٹا کر سب کو اسی پُرانے واحد مرکزی قبلہ پر جمع کردیا گیا' تو یہ ایک ایسی بات ہے جس کی تائید ان ہی "آیات بیّنات" سے ہورہی ہیں جن کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے۔...

حضرت ابنِ عباسؓ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ "ہندوستان سے اَلْکَعْبَہ کا حج حضرت آدمؑ نے چالیس دفعہ فرمایا۔" میں مانتا ہوں کہ سنداً اس قسم کی روایتوں کا ذخیرہ بہت کچھ محلِ اِشتباہ ہے' لیکن جب قرآن کے نصِّ قطعی سے معلوم ہوتا ہے کہ النّاس یعنی آدمیوں کے لیے سب سے پہلا گھر بکّہ ہی میں بنایا گیا' تو ان روایتوں کا جو حاصل ہے' یعنی حضرت آدم علیہ السلام وادی بکّہ کے اس اوّل البیت سے تعلق رکھتے تھے' آخر اس کو مشتبہ قرار دینے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ زمین کے اس خاص حصّہ کی تحدید و تعین کے لیے ابتدا میں کیا صورت اختیار کی گئی تھی' یہ ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کی تحقیق میں سر کھپایا جائے۔ پتھر لگائے گئے تھے یا صرف مٹی کی دیواریں اٹھائی گئی تھیں' پھر پتھر اگر استعمال کیے گئے تھے تو کس قسم کے پتھر سے اس کی تعمیر ہوئی تھی' قرآن میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ اور یہی اس کا عمومی دستور ہے کہ غیر ضروری امور سے اعراض کرکے مسلمانوں کو بھی گویا سکھاتا ہے کہ ان لایعنی مشاغل سے' جہاں تک ممکن ہو' اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔...

تجلّی گاہِ ربّانی

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اَلْکَعْبَہ کی مرکزیت کے اظہار کے لیے ان تمام حقائق سے قرآن نے پردہ اٹھا دیا ہے جن کے متعلق ممکن ہے کہ غیر ایمانی' عامیانہ فطرتوں میں ہچکچاہٹ پیدا ہو۔ اس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کیا ہے کہ النَّاس کے قیام و بقا کا تعلق بھی اسی اَلْکَعْبَہ سے ہے' وہی النّاس کے لیے مَثَابَہ (پن گھٹ) ہے' اور ان کا امن و امان بھی اسی کے ساتھ وابستہ ہے'

اَلعَالَمِین یعنی سارے جہانوں کے لیے وہ مبارک بھی ہے' اور ان میں ہدایت کی عمومی روشنی کی تقسیم کا مرکز بھی یہی گھر بنے گا۔ . . .

اور جیسے سارے عالَم میں اپنی رحمتوں کو تقسیم کرنے کے لیے اَلعَرش العَظِیم پر الرحمٰن مستوٰی ہوا' اسی طرح کرۂ ارض کی رحمتوں کی تقسیم کے لیے اَلکَعبَہ کو اس نے اپنی تجلی کی فرودگاہ خاص ٹھہرایا۔ اور' بقول مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ' اگرچہ آفتاب آئینے میں نہیں اترتا' لیکن جو خاص قسم کی تجلی آفتاب کی آئینے میں ہوتی ہے اسی کا نتیجہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہو بہو کامل آفتاب آئینے میں جھلکتا اور چمکتا نظر آرہا ہے۔ کچھ اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ جو آسمان و زمین میں بھی نہیں سما سکتا' وہی خالقِ ارض و سماوات' اَلکَعبَہ کی "تجلی گاہِ خاص" میں نمایاں ہے۔ جیسے آئینے کو بیت الشمس کہہ سکتے ہیں' اسی طرح اَلکَعبَہ پر بھی "بیت اللہ" کا اطلاق ایک صحیح مشاہداتی یافت ہی کا یہ اعتراف ہوگا۔

ذات حق کی یہی تجلّی کامِل درحقیقت بنیاد ہے ان سارے دینی اور روحانی تعلقات کی جن کو اَلکَعبَہ کے ساتھ اِسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔

(تلخیص و تدوین: خ - م)

اہم قرآنی موضوعات پر

خرم مراد کے ۱۴ ماڈل درس قرآن

تحریکی ضروریات پوری کرنے کے لیے

گھروں میں، گاڑیوں میں، اجتماعات اور تربیت گاہوں میں

سننے اور سنانے کے لیے

الفاتحہ۔ التوبہ۔ النساء۔ یونس۔ الکہف۔ النمل۔ یٰسین

حم سجدہ۔ الواقعہ۔ الحدید۔ الحاقہ۔ الضحیٰ کی منتخب آیات

کے ۱۵ منٹ کے یہ مختصر درس ایمان کو تازگی بخشتے ہیں اور عمل پر ابھارتے ہیں۔

رمضان المبارک میں۔ اور اس کے بعد بھی اعزّہ و احباب کے لیے

خوبصورت تحفہ

۷ کیسٹ کے خصوصی ڈبّے میں

ہدیہ: ۱۴۰/- روپے
ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

صدائے اسلام منصورہ لاہور ۵۴۵۷۰

کراچی میں ملنے کا پتہ: سمع و بصر امبر ہوٹل۔ نرسری۔ کراچی